P. O. RGD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۱ | یکم اکتوبر سنہ ۱۹۵۲ع | ایڈیٹر قاضی عبدالغفار | ۱۱ محرم الحرام ۱۳۷۲ ہجری | نمبر ۱۹

کچھ اپنی باتیں

کانگریس اور علاقائی زبانیں

ملک کی سب سے بڑی بدقسمتی یہہ ہے کہ خود کانگریس کے بعض حلقوں میں "سکولرزم" کی اصطلاح عملی حیثیت سے بے معنے ہو گئی ہے۔ دوسرے سیاسی مسایل میں جسطرح اس اصطلاح سے کھیلا جا رہا ہے اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں' لیکن علاقائی زبانوں کے حقوق کی حد تک (خاص طور پر اتر پردیش میں) کانگریس کے بعض نمایاں اور ممتاز لیڈر جسطرح تنگ نظری اور تنگ دلی کا اظہار کر رہے ہیں' وہ حیرت انگیز ہے۔

دستور کی فہرست میں ۱۴ علاقائی زبانیں شامل ہیں۔ ان ہی میں ایک ہندی بھی ہے۔ ہندی تو اب سرکاری زبان بن چکی ہے اس لئے سوال صرف ۱۳ علاقائی زبانوں کا ہے۔ ان ہی میں ایک اردو بھی ہے۔

دستور کی دفعہ ۲۹(۱) زبان اور کلچر کے متعلق بنیادی حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ اسکے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"شہریوں کا کوئی طبقہ جو ہندستان کے علاقہ میں یا اسکے کسی حصہ میں آباد ہو اور جسکی زبان اور رسم الخط اور کلچر مخصوص ہو ان مخصوص حقوق کو محفوظ رکھنے کا حق رکھیگا ہے۔

دفعہ ۳۴۷ کی بار بار تصریح کی جا چکی ہے اس لئے اسکے الفاظ کے دہرانے کی ضرورت نہیں لیکن دریافت کرنے کی بات صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی اقلیت اپنے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے دستور کی دفعہ ۳۴۷ کا سہارا لیکر اپنی علاقائی زبان کو علاقائی زبان تسلیم کرانے کی کوشش کرے تو کیا ایسی کوشش سرکاری زبان کے خلاف سمجھی جائیگی یا کیا کانگریس کی کسی جماعت کو یا کانگریسی لیڈروں کو یہہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسی کسی کوشش کی مخالفت کریں؟ اور کیا انکا ایسا کرنا ہمارے دستور کے الفاظ

اور اسکی روح کی توہین کرنا نہیں ہے؟

اتر پردیش کے کانگریسی حلقوں میں بھی اردو کے خلاف تعصب کی شدت اب اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ جو اصحاب کانگریس کا نام لیکر عوام کے سامنے آتے ہیں وہ بھی وہی باتیں اپنی زبان سے کہنے لگتے ہیں جو ملک کی فرقہ پرست جماعتیں کہتی ہیں۔ مثلاً

(۱) اردو غیر ملکی زبان ہے

(۲) اردو نے ملک کی آزادی کے خلاف کام کیا ہے۔

(۳) اردو کی تحریک ہندی کی مخالف ہے

(۴) علاقائی زبان کی تحریک مسلمان فرقہ پرستوں کی تحریک ہے۔ وغیرہ، وغیرہ۔

ملک کے فرقہ پرستوں کی زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہے اسکی تو ہمیں ذرا بھی پروا نہیں، لیکن جب ہم کانگریسی لیڈروں کی زبان سے علاقائی تحریک کے خلاف اس قسم کی دروغ بافیاں سنتے ہیں تو ہمیں سوچنا پڑتا ہے کہ کانگریس اور مہاسبھا اور جن سنگھ کی سرحدوں میں اگر اب بھی کچھ فاصلہ باقی ہے تو وہ کتنا ہے!

عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو ان ہی کانگریسی لیڈروں کا یہہ رنگ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں کسی اقلیت نے کوئی شکایت کی اور انہوں نے ڈپٹ کر فرمایا کہ یہہ تو ہمارے آزاد ملک کے دستور کی توہین ہے اور اس طرح دستور کی توہین کرنے والے غدار ہیں اور پاکستان کے جاسوس ہیں، لیکن یہہ معزز حضرات خود اپنے ملک کے دستور کے خلاف کچھہ ہی فرماتے رہیں اور کرتے رہیں وہ سب جائز ہے!۔ وہ اگر اقلیتوں کو دستور کے تحت اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرتے دیکھتے ہیں تو خفا ہو جاتے ہیں اور اس جدوجہد کی مخالفت اسی طرح کرنے لگتے ہیں جس طرح مہاسبہائی یا جن سنگھہ والے۔

علاقائی زبانوں کے متعلق ایک بات اور بھی انکی فرقہ پرستی کے رنگ کو نمایاں کرتی ہے۔ وہ یہہ کہ کسی دوسرے علاقہ میں کسی دوسری علاقائی زبان کے خلاف یہہ زور وشور نہیں جو اتر پردیش میں اردو کے خلاف ہے۔ مدھیہ پردیش میں مرہٹی زبان کو علاقائی زبان تسلیم کیا جا رہا ہے، بنگال میں بنگالی زبان کے متعلق یہہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وہ علاقائی زبان ہے یا نہیں، جنوب میں تلنگی زبان اپنے مقام پر قایم ہے۔ کہیں بھی ہندی کے حامیوں نے کسی علاقائی زبان کے تحریک کی یہہ کہہ کر مخالفت نہیں کی کہ یہہ تحریک سرکاری زبان کی مخالفت ہے حالانکہ جنوب میں تو سرکاری زبان کی علانیہ مخالفت ہو رہی ہے لیکن کانگریس کے کسی نیتا کو غصہ نہیں آتا۔ بلکہ تمام علاقائی زبانوں کے حامیوں کو بار بار اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ سرکاری زبان علاقائی زبانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائےگی اور علاقائی زبانوں کے حقوق محفوظ رہیں گے لیکن صرف اتر پردیش ہی میں اور صرف اردو ہی کے مقابلہ میں یہہ ہنگامہ برپا ہے کہ اردو تو کوئی زبان ہی نہیں اور وہ اس ریاست کی علاقائی زبان ہو ہی نہیں سکتی اور جو کوئی ایسا ثابت کرنے کی کوشش کرے وہ سرکاری زبان کا دشمن ہے!

برخلاف جنوبی ہند کے اتر پردیش میں علاقائی زبان کے حامی اپنے ہر سانس میں اعلان کر رہے ہیں کہ ان کی تحریک کا مقصد سرکاری زبان کی مخالفت نہیں ہے لیکن یہاں اس بات کو کوئی نہیں سنتا اور جو نعرہ مہاسبھا بلند کرتی ہے وہی ہمارے بعض کانگریسی لیڈروں کے حلق سے بھی نکلتا ہے۔

بہت سے انصاف پسند اور ایماندار کانگریسی لیڈر ایسے بھی ہیں جو اگر چاہیں تو دوسرے لیڈروں کی اس کجروی کے خلاف آواز بلند کر سکتے ہیں اور دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ ہمارے دستور کی روح یہہ ہے کہ تمام علاقائی زبانوں کو اپنے اپنے علاقے میں ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہیں۔ اردو کا خاص علاقہ اتر پردیش

اور دھلی ہے۔ ان علاقوں میں آردو کی مخالفت کرنا اور اسکے خلاف فرقہ پرستی کی آگ بھڑکانا اپنے ملک کے مفادات کو نقصان پہنچانا ہے۔ غدار وہ لوگ نہیں ہوسکتے جو کسی دستوری حق کے لئے دستوری جدوجہد کریں بلکہ وہ لوگ اس خطاب کے مستحق ہیں جو دستور کے منشا کے خلاف کسی علاقائی زبان کو اسکے حقوق سے محروم کردینا چاہتے ہیں۔

کانگریس کی کسی جماعت یا اسکے کسی لیڈر کے متعلق ایسی تلخ باتیں لکھتے ہوئے ہمارا دل دکھتا ہے۔ مہاتما گاندھی کے تقدس نے کانگریس کے نام کو بھی مقدس بنا دیا تھا اور کانگریس نے آزادی کی جنگ جیت کر تاریخ کے صفحات پر اپنے نام کو ہمیشہ کے لئیے روشن کردیا تھا، لیکن آج خود گھر کے لوگ ہی اپنے گھر کے چراغ کو گل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حکومت کی کرسیوں پر مہاتما گاندھی اور آنکی کانگریس کا نام اب ایک کھلونا بن گیا ہے۔ جہاں اپنا کام نکالنا ہو تو مہاتما گاندھی کی جے بھی پکاری جائیگی اور کانگریس کی عظیم الشان تاریخ کا بھی بار بار حوالہ دیا جائیگا۔ لیکن جہاں اس خود غرضی کے خلاف کوئی کلمہ حق کہا جائیگا وہاں بلا تکلف فرقہ پرستی کے ادنے جذبات کا مظاہرہ ہونے لگیگا!

صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو جو آج بھی مہاتما گاندھی کے صحیح وارث اور جانشین ہیں ان تمام خرابیوں سے بے خبر تو نہیں ہوسکتے۔ تو پھر وہ کانگریس کے اس قسم کے کھوٹے لیڈروں سے کچھہ تو محاسبہ کریں۔ آخر کب تک؟

ہلکے ہلکے اشارے

---- ھندستان، ٹائمز کے نامہ نگار نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا کہ حکومت کی خارجی پالیسی پر تقریر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے ایسی زبردست تقریر فرمائی جیسی کہ اس جلسہ میں کوئی دوسری تقریر نہ تھی۔

"انھوں اسقدر سادہ اور صاف آردو میں تقریر فرمائی کہ یہہ طے کرنا مشکل ہوگیا کہ کہاں تک انکی زبان آردو تھی اور کہاں سے اسکو ھندی سمجھا جائے .... تقریر کے اختتام پر نعرہ ھائے تحسین بلند ہوئے"

---- اب ٹنڈن جی یا سمپورنانند جی بتائیں کہ اسمیں مولانا آزاد کا کیا قصور تھا اگر انکی سادہ اور صاف آردو کو عمدہ ھندی سمجھا گیا! اور کسی نے یہہ شکایت نہ کی کہ وہ ایسی زبان بولتے ہیں جو سمجھہ میں نہیں آتی!

---- ہمارے بعض نیتاؤں کی مہربانی سے آردو اور ھندی کے درمیان ایک ایسی حد فاصل قائم کردی گئی ہے جسکی وجہ سے ھندی اور آردو کا پیدایشی تعلق ٹوٹ گیا ہے اور صاف اور سادہ آردو کو بھی ھندی سے مختلف کوئی چیز سمجھا جاتا ہے ---- گویا صاف اور سادہ آردو کے علاوہ "ھندی" کوئی چیز ہے!

---- کیا اچھا ہوتا کہ مرکزی حکومت اہل زبان کی ایک کمٹی مقرر کرکے ہمیشہ کے لئے یہہ طے کرادیتی کہ ھندی کیا ہے اور اس کی اسانی نوعیت کیا ہے۔ ورنہ ہمارے ٹنڈنوں اور سمپورنانندوں کی ذہنی پرواز کے لئے فضا ہمیشہ بہت غیر محدود رہیگی!!

بہار کے ایک شہر کی انجمن ترقی آردو کے سکریٹری لکھتے ہیں کہ:

لوکل بورڈ سیوان کی غلطیوں سے سب ڈویژن کے آردو مکاتب اندھیروں سے آندھیوں اور طوفانوں اور بھونچالوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ بعض آردو مکاتب تو تاب نہ لاکر بھونچالوں کی زد میں آچکے ہیں اور بعض مستقبل قریب میں اپنی تباہیوں کی کہانیاں سنانے کے لئے دم توڑ رہے ہیں اور توڑنے کو ہیں۔

میں یہہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اب تک سب ڈویژن کے بیسیوں آردو مکاتب کو توڑنے اور بند کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟

جناب چیرمین صاحب لوکل بورڈ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول و سب انسپکٹر آف اسکول سیوان ان حضرات سے بار بار ہم نے تقاضا نہ اپیل

کی ہے کہ وہ اس اردو دشمنی سے باز آئیں مگر یہہ اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔

آج یہہ معلوم کر کے افسوس ہی نہیں بلکہ سخت حیرت ہوئی کہ سب انسپکٹر آف اسکول نارتھ سیوان نے اردو پڑھنے والے طلبا سے کہدیا کہ آپ اردو تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہیں تو پاکستان تشریف لے جائیے۔

لہذا ہماری پر زور اپیل وزیر تعلیم و دیگر محکمہ تعلیم کے عہدیداران سے ہے کہ وہ جلد از جلد لوکل بورڈ سیوان شعبہ تعلیم کی اس اردو دشمنی کی تحقیق کریں ورنہ یہہ بورڈ ہزاروں بچوں اور بچیوں کو جاہل کر دے گا۔

—ادھر تو پاکستان میں اردو، پنجابی اور سندھی کے جھگڑے طے نہیں ہوتے اور ادھر ہم پاکستان کے نام پر طعنے سن رہے ہیں! وہ دن دور نہیں معلوم ہوتا جب ہندوستان کے بھارت میں اگر کوئی اردو والا کہیگا کہ مہاراج بھوک لگی ہے، روٹی نہیں ملتی تو اس سے کہا جائے گا کہ پاکستان کیوں نہیں جاتے! اگر وہ کہیگا کہ حضور ہسپتالوں میں دوا نہیں ملتی تو ارشاد ہوگا کہ تم پاکستان کیوں نہیں چلے جاتے۔ اگر وہ عرض کرے گا کہ رشوتیں دیتے دیتے دیوالا نکل گیا تو حکم ہوگا کہ جاؤ پاکستان!۔ بہار بھی چشم بد دور ہمارے اترپردیش کا ہونہار شاگرد معلوم ہوتا ہے!!

—اترپردیش کے وزیر اعظم نے اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "ہندی کے معنے آسان ہندی کے ہیں جس کو سب سمجھہ سکیں، یعنی اس ریاست کی بولی"۔

—جب یہہ ہے تو پھر کیا اردو اور ہندستانی کسی اور زبان کا نام ہے؟

—عثمانیہ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا کہ "حیدرآباد کے لوگوں کو ایسا کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہئے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے مرکز میں شامل ہونے اور ہندی یونیورسٹی بنانے سے علاقائی زبانوں کی ترقی رک جائیگی"۔ انہوں نے فرمایا کہ ہندی اور علاقائی زبانیں سب پہلو بہ پہلو اور ایک دوسرے کا مقابلہ کئے بغیر ترقی کرینگی۔

وزیر اعظم نے یہہ بھی فرمایا کہ "کسی شخص کو کسی خاص زبان کے خلاف تعصب سے کام نہ لینا چاہئے۔ یونیورسٹیوں میں ہندی کو صرف بتدریج داخل کیا جائے اور یونیورسٹیوں میں انگریزی اسوقت تک رکھی جائے جب تک کہ اسکی ضرورت ہے"

—اور پھر وزیر اعظم نے اپنا پورانا نسخہ یہہ بھی دو ہزار نہترویں دفعہ دہرایا کہ

"اگر ہمیں اپنے ملک کے بڑے مسایل کو حل کرنا ہے تو فرقہ پرستی یا صوبہ واری تعصبات کو دخل نہ دیا جائے۔ ہمیں فرقہ واری اور صوبائی تعصبات سے بلند تر ہونا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

—اس تقریر کا حیدرآباد کے دوستوں پر جو بھی اثر ہوا ہو لیکن اترپردیش میں تو بڑے بڑے نیتاؤں نے اس تقریر کو پڑھ کر صرف یہی فرمایا ہوگا کہ: ہوں! یونیورسٹیوں میں ہندی کو آہستہ آہستہ داخل کرنے کی بھی ایک ہی کہی، دیکھئے نا نہرو جی کے دل میں اب بھی چور ہے!۔ اور علاقائی زبانوں کے حامیوں کو اسقدر اطمینان دلانے کی کیا ضرورت؟ ارے صاحب صاف صاف کہا ہوتا کہ ہاں ہندی کا راج ہوگا اور علاقائی زبانوں کو اپنی فکر خود کرنی چاہئے—آخر یہہ کیا بات ہے کہ ہمارے وزیر اعظم اپنے ملک کے سب سے زیادہ بیدار اور ترقی پسند (!) صوبہ کی مثال کو اپنے لئے شمع ہدایت نہیں بناتے جس نے علاقائی زبان کے سوال کو تو جڑ ہی سے کاٹ ڈالا! نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! کیا آسان نسخہ تجویز کیا کہ جب صرف ہندی ہی اترپردیش کی عوامی زبان ہے تو پھر کسی علاقائی زبان کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے!

—ہم اپنے وزیر اعظم کو ادب کے ساتھہ یہہ مفید مشورہ دیتے ہیں کہ وہ زبان کے معاملہ میں اترپردیش کے نیتاؤں کی رہنمائی قبول فرمالیں!

اردو ہندی اور انگریزی

—اردو ہندی اور انگریزی کا ایک عجیب مثلث آج کل ہمارا ملک میں بنا ہوا ہے۔ ہندی والے کہتے ہیں کہ انگریزی اگر دس پندرہ برس اور قایم رہے تو مضایقہ نہیں، لیکن اردو کیوں؟ لہذا جہاں ہندی اردو کو ہٹا نہیں سکتی وہاں انگریزی کو اس کے مقابلہ میں لایا جاتا ہے۔ اردو والے اگر یہہ کہتے ہیں کہ ابھی ہندی زبان نے اتنی ترقی نہیں کی کہ وہ انگریزی کی جگہ لے سکے تو وہ معتوب ہوتے ہیں۔ انگریزی والے اگر کہتے ہیں کہ انگریزی زبان کو تو قایم رکھنا ہی پڑیگا، بغیر اس کے علوم کی تحصیل نا ممکن

ہے تو اکثر ہندی والے اور کچھ آردو والے بھی خفا ہوتے ہیں ۔ اس مثلث کا زاویہ دوسرے زاویئے سے آلجھا ہوا ہے!

---- لیکن پتہ کی بات یہہ ہے کہ انگریزی زبان کے علمی افادیت کے علاوہ بڑی مشکل یہہ آپڑی ہے کہ ڈیرہ سو برس میں انگریزی ہمارے خون میں سرایت کر گئی ہے ۔ آج بھی وہ تعلیم یافتہ لوگ جو آردو کے حامی ہیں اکثر انگریزی میں گفتگو کرتے ہیں اور اکثر خطوط انگریزی میں لکھتے ہیں ۔ شاید انہیں اظہار خیال کے لئے انگریزی، ہندی اور آردو سے زیادہ آسان معلوم ہوتی ہے ۔ اور تو سب جانے دیجئی، پڑھے لکھے لوگوں کے دعوت ناموں کا تماشہ دیکھئے ۔ شادی ہے، کوئی پارٹی ہے، کہانے کی دعوت ہے، کوئی بھی تقریب ہے، دعوت نامہ انگریزی زبان میں ہوگا requests the pleasure of .... وغیرہ وغیرہ ۔ پہلے تو خیر دعوت نامہ میں یہہ بھی ہوتا تھا کہ کالی شروانی پہن کر آئے یا انگریزی لباس ۔ مگر اب یہہ پابندی کم ہوتی جاتی ہے تاہم requests the pleasure of کا زور قایم ہے اور اس کے مقابلہ میں "مجھے مسرت ہوگی اگر آپ میرے ساتھہ ما حضر تناول فرمائیں" کا لنگڑا ٹٹو نہیں چلتا!

---- آردو کی حمایت کا دعوے کرنے والے اور مشرقی تہذیب کے زبانی جھنڈے بلند کرنے والے اس R. S. V. P. سے کسی طرح نجات نہیں پاسکتے ۔ وہ اگر سوچیں تو شرمائیں کہ اپنی روز کی زندگی میں وہ کس طرح آردو کو نظروں سے گراتے ہیں اور پھر ہندی والوں کا شکوہ کرتے ہیں کہ وہ آردو کے دشمن ہیں!

---- اتنی موٹی بات تو سمجھہ میں آجانی چاہئے کہ آردو کے متعلق ذہنی کیفیت اگر اپنی ہی درست نہ ہو تو پھر نعرے لگانے سے کیا فایدہ! ۔ تعلیم یافتہ لوگوں کی صحبت میں جائیئے، اکثر وہ لوگ جن کی مادری زبان آردو ہے انگریزی میں بات چیت کرتے سنے جائینگے ۔ یہہ وبا سب سے زیادہ ہمارے طلبا میں ہے ۔ گٹ پٹ گٹ پٹ کا دھواں دماغوں میں بھرا ہوا ہے مگر آردو کے لئے ۲۰ لاکھہ دستخط بھی کراتے پھر رہے ہیں!!

---- انگریزی یا کسی ترقی یافتہ یوروپین زبان میں پوری دستگاہ حاصل کرنا بڑے فخر کی بات ہے، لیکن اپنی روزانہ زندگی میں اپنی مادری زبان کو بھول جانا بڑی ذلت کی بات ہے! ۔ آردو کے حامی اپنی اندرون سے محاسبہ کریں ۔

---- اس بیماری سے ہندی والے بھی بچے نہیں ہیں، لیکن ہم انہیں کیا کہیں ۔ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لیں!

راقم
Requests the
Pleasure of............

"ادب میں تنگ نظری اور تعصب کی گنجایش نہیں ھے ادب کو کسی ذاتی اعتقاد یا تعصب سے تعلق نہیں ھے وہ ادیب ادیب نہیں جس میں منصف مزاجی نہ ھو"
(تیج بہادر سپرو)

شاخ حیدر اباد کی سالانہ رپورٹ

(سلسلۂ اشاعت گذشتہ)

حکومت ہند کی وزارت تعلیمات کے ایما پر حیدر آباد کے محکمہ تعلیمات نے تلنگی، مرہٹی، کنڑی، ہندی اور آردو زبانوں میں بچوں کا لٹریچر تیار کرنے کی غرض سے ایک ریجنل باڈی یعنی علاقائی کمیٹی مقرر کی ہے ۔ انجمن ترقی آردو (حیدر آباد) کے معتمد کو بھی اس کمیٹی کا ایک رکن نام زد کیا گیا ہے ۔ اس کمیٹی کا افتتاحی اجلاس وزیر تعلیمات کی صدارت میں ۱۶ مئی سنہ ۱۹۵۲ ع کو ہوا ۔ آن دنوں معتمد انجمن اتفاق سے بمبئی گیا ہوا تھا اس لئے وہ اس افتتاحی جلسے میں شریک نہ ہوسکا لیکن

خوش قسمتی سے ہماری مجلس انتظامی کے ایک رکن رائے شیو راج بہادر صاحب سرکاری حیثیت سے اس اجلاس میں شریک تھے۔ اجلاس کی روئداد انجمن کو وصول ہوئی ہے جس سے ظاہر ہوا کہ مختلف علاقائی زبانوں کے لئے ایک ایک ذیلی کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے اور اردو کی ذیلی کمیٹی کا چیرمین انجمن ہذا کے معتمد کو مقرر کیا گیا ہے۔ ذیلی کمیٹی کے دوسرے ارکین میں سید ساجد علی صاحب، مقبول احمد سیوہاروی صاحب، رائے شیو راج بہادر صاحب، اور مس نندی شامل ہیں۔ اس معاملے میں محکمہ تعلیمات کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

حال میں حیدر آباد اسمبلی کے موجودہ اجلاس میں حکومت حیدر آباد کے ایک ذمہ دار رکن نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ اردو حیدر آباد کی علاقائی زبان نہیں ہے اور نہ وہ کوئی بڑی زبان ہے۔ اگرچہ یہ بظاہر ایک انفرادی رائے معلوم ہوتی ہے تاہم چونکہ وہ حکومت کے ایک ذمہ دار رکن کا بیان ہے جو سٹیٹ اسمبلی جیسے اہم ادارے کے پلیٹ فارم سے دیا گیا ہے، اس لئے اس پر خاموشی اختیار کرنے سے اردو کے حق میں ضرر رساں نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہے، اس خیال کے پیش نظر انجمن کی مجلس انتظامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انجمن کی طرف سے ایک وفد چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک یادداشت پیش کرے جس میں اردو کی اہمیت اور حیدر آباد میں اس کی تاریخی اور عددی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے حکومت سے یہ خواہش کی جائے کہ ریاست حیدر آباد میں اردو کو بھی وہی حیثیت اور درجہ دیا جائے جو تلنگی، مرہٹی، کنڑی کو حاصل ہے۔ چنانچہ یادداشت کا مسودہ تیار کیا جا رہا ہے اور عن قریب چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں درخواست بھیجی جائے گی کہ وفد کو حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ دعا کیجئے کہ ہماری یہ دستوری کوشش بار آور ثابت ہو۔

انجمن کی خبریں

ناندیڑ (ریاست حیدر آباد)

مقامی بزم ادب کے زیر اہتمام ۲ ستمبر ۱۹۵۲ء کو ایک محفل شاعرہ منعقد ہوئی جس میں ہر مذہب و ملت کے اہل علم اور اہل ذوق حضرات بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ پیپلز کالج ناندیڑ کے پروفیسر بھاٹیا نے مشاعرے کی صدارت کی۔ ساغر، نشتر، اور جوالا پرشاد مصرا کا کلام خاص طور پر پسند کیا گیا۔ ضلع کے اکثر سربرآوردہ عہدہ داروں، لیڈروں اور کاروباری حضرات نے بلا لحاظ مذہب و ملت مشاعرے میں شرکت فرمائی۔"

مراد آباد

بیگم سعید صاحبہ اطلاع دیتی ہوں کہ ۱۰ جولائی تک علاقائی تحریک کے سلسلہ میں نو ہزار دستخط حاصل کئے جا چکے تھے۔

"اب ۱۰ مارچ ۱۹۵۲ء سے انجمن ترقی اردو خواتین مراد آباد نے مزید جد و جہد شروع کی ہے پچیس ہزار کا کوٹہ شہر مراد آباد کا مقرر کیا گیا۔ جو بفضل خدا پورا ہو گیا۔ لیکن ہم کو صرف پچیس ہزار کی تعداد کو پورا نہیں کرنا ہے۔ بلکہ بیس لاکھ کی۔ اس لئے کام ابھی جاری ہے۔ جب تک یہ دستخطی مہم جاری ہے ہم کام انشاءاللہ کرتے رہیں گے۔ اور اب تحصیل امروہہ، و سنبھل میں جا کر کام کرنے کا ارادہ ہے"

شہر مراد آباد سے پچاس ہزار کا کوٹہ مقرر تھا۔ انجمن بقائے ادب نے بھی اپنا کوٹہ پورا کر لیا۔ اور ۳۱ اگست تک شہر مراد آباد سے کام پورا ہو گیا۔

میسور

ٹیپو سلطان شہید کا عرس ۱۹ اگست کو بڑی دھوم دھام سے منایا گیا ریاست کے طول و عرض سے بے شمار ہندو و مسلمانوں نے ہندستان کے اس محب وطن کی یاد منانے کے لئے اس مقدس اجتماع میں شرکت کی۔

رات کو مسجد اقصیٰ میں ایک جلسہ مسٹر محمود شریف سابق وزیر کی صدارت میں منعقد ہوا

کانگریس کے صدر مسٹر والیا نے اس جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ٹیپو سلطان نے وطن کی آزادی کے لئے بے مثال قربانی دی اور ملک کی آزادی کے لئے راستہ صاف کیا۔ آج ان ہی قربانیوں کی بدولت ہم آزادی کی نعمتوں سے استفادہ کر رہے ہیں۔

آگے چل کر مسٹر والیا نے اسلامی تعلیمات کا ذکر کیا اور کہا کہ اسلام میں مساوات ایک ایسی چیز ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔ ہمیں مساوات کے سلسلہ میں اسلامی تصور کو کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اپنانا چاہئے۔ ہندی کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے ہندی نہ سیکھی تو باہر کے لوگ ہم پر چھا جائیں گے۔

اردو کے فروغ کو ضروری قرار دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ مسلمان اسے عرب سے نہیں لائے یہ یہیں پیدا ہوئی اور سو فی صدی یہ ہماری زبان ہے۔

مجوزہ اردو کانفرنس کے لئے

(علامہ انور صابری کے تاثرات)

عالمی اردو کانفرنس علی گڈھ کا ذکر اخبارات میں پچھلے دنوں پڑھتا رہا اب اس کے امور انتظامیہ کے دفتر میں خود حاضر ہو کر کارکنان کانفرنس سے تبادلۂ خیال کا موقع بھی نصیب ہوا۔

مجھے زندگی کے اکثر و بیشتر حصے میں "کانفرنسوں" کی ہماہمی۔ جدوجہد اور نتائج و اثرات سے وابستہ رہنے کی سعادتیں فراہم ہوتی رہی ہیں اس لئے گذشتہ تجربات کی روشنی میں دل کھول کر شبہات و اعتراضات کئے، خدا کا شکر ہے کہ ذمہ داروں کی گفتگو نے مجھے یہ عرض کرنے کے قابل بنا دیا کہ مقصد ضرورت اور ادب و حیات کے لئے اس کانفرنس کا انعقاد جمہوری ہندستان کے مستقبل کی بلندیوں کا واحد ضامن ہوگا۔ اور اردو جیسی ترقی پسند، حیات افروز اور اتحاد پرور زبان کے تحفظ و بقا کے لئے ہم وہ کام کر سکیں گے جس سے آئندہ نسلیں اپنے آباو اجداد کے تاریخی مآثر پر فخر کر سکیں۔

جن حضرات تک کارکنوں کی جانب سے تعاون و اشتراک کی اپیل پہونچے ان سے میری مخلصانہ درخواست ہے کہ دامے، درمے، قدمے ہر قسم کی امداد و اعانت سے نوازیں۔

میں نے سخنے قصداً نہیں کہا کہ اس دور میں نام اور بات سے زیادہ کام کی ضرورت ہے۔

فقیر زادہ
انور صابری

علاقائی زبان کمیٹی کا جلسہ

لکھنؤ۔ ۲۵ ستمبر اردو علاقائی زبان کمیٹی چار سفیر مقرر کرے گی۔ جو صوبہ بھر کا دورہ کرینگے اور کوشش کرینگے کہ ۳۱ دسمبر تک بیس لاکھ دستخط پورے ہو جائیں۔ اس وقت تک اندازاً دس لاکھ دستخط ہو چکے ہیں۔ جس میں سے سوا پانچ لاکھ لکھنؤ کے دفتر میں آچکے ہیں۔

آج سہ پہر کو گنگا پرشاد میموریل لائبریری میں اردو علاقائی زبان کمیٹی کا جلسہ پنڈت کشن پرشاد کول صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا اس میں شرکت کے لئے اسلم سرفی صاحب میرٹھ سے، مسیح الزمان صاحب الہ آباد سے اور قاضی مختار احمد صاحب کانپور سے تشریف لائے تھے۔ ان کے علاوہ مقامی ممبران موجود تھے۔

آفس سکریٹری سلطانہ بیگم صاحبہ نے بتلایا کہ اب تک ۲۲۱ مرکز قائم ہو چکے ہیں جہاں دستخط حاصل کرنے کا کام ہو رہا ہے۔ اردو علاقائی زبان کے دفتر سے اب تک ساڑھے چھ ہزار خطوط، گشتیات وغیرہ بھیجی ہیں۔ اندازاً ڈھائی ہزار کارکن اس جدوجہد میں منسلک ہیں اور امید ہے کہ اگر کمیٹی کی طرف سے چار سفیر برابر دورے کرتے رہیں گے تو تین مہینے کے اندر بیس لاکھ دستخط کی تعداد پوری ہو جائیگی۔

جنرل سکریٹری حیات اللہ انصاری صاحب نے کہا کہ پچھلی مرتبہ تاریخ بڑھا کر ۳۰ اگست کی گئی تھی لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا کیونکہ امتحانات اور گرمیوں کی چھٹیوں اور رمضان کی وجہ سے کام میں تیزی آنے کے بجائے ایسی سستی آگئی کہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کام بالکل بند ہوگیا ہے - لیکن جولائی اور اگست کی مسلسل کوششوں کے بعد اس میں جان پڑی ہے اور تحریک پھر جگہ جگہ پھیلنے لگی ہے -

جنرل سکریٹری نے گوشوارہ حساب پیش کیا جس کو دیکھکر کمیٹی کی رائے ہوئی کہ بہت کم خرچ میں کام چلایا گیا ہے جو قابل تعریف ہے -

ممبروں نے غور کرنے کے بعد طے کیا کہ دستخطی مہم ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۵۱ ع کو شروع کی گئی تھی - اس لئے اس کی آخری تاریخ ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۵۲ ع مقرر کردی جائے - چنانچہ آخری تاریخ مقرر کردی گئی ہے -

کمیٹی نے پچھلے جلسے میں یہہ طے کیا تھا کہ کام میں تیزی نہیں آرہی ہے اس کی ایک وجہ یہہ ہے کہ صرف خط و کتابت سے کام لیا جارہا ہے - اور دورے بہت کم کئے جارہے ہیں اور اس کی وجہ آمدنی کی کمی ہے اس لئے ایک وفد جو پنڈت کشن پرشاد کول صاحب، حیات اللہ انصاری اور آل احمد سرور صاحب پر مشتمل ہو ڈاکٹر ذاکر حسین صدر انجمن ترقی اردو سے ملکر مالی امداد کی خواہش کرے - اس وفد نے اپنی رپورٹ دی کہ مرکزی انجمن نے وعدہ کیا ہے کہ کیشی ضروری مالی امداد کریگی -

جنرل سکریٹری نے بتلایا کہ ایک سفیر جناب قدیر لکھنوی مقرر کئے گئے ہیں اور اس مہینہ کے آخر تک باقی تین سفیر اور مقرر کئے جائینگے اور صوبہ کے چار حصے کر کے ان کے سپرد کردیے جائینگے -

کمیٹی نے باتفاق سردار بلونت سنگھ، مولانا ابوالقاسم اور قاضی محمد مختار صاحبان کو کمیٹی کا ممبر بنا لیا -

انجمن کی مطبوعات

حیات اجمل

(بمبئی کے انگریزی اخبار بھارت جیوتی کی رائے)

"...... حکیم اجمل خاں نے جو ایک ممتاز سیاست داں تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے متعلق ایک مضبوط عقیدہ رکھتے تھے موتی لال نہرو، مولانا محمد علی، سی - آر - داس، لوکمانیہ تلک، ڈاکٹر انصاری، ولبھہ بھائی پٹیل، مہاتما گاندھی اور مولانا آزاد جیسے قوم پرست بہادروں کے ساتھہ اپنی وفات کے وقت تک جو ۱۹۲۸ ع میں ہوئی کام کیا - حکیم صاحب میں ہر وقت ایک جذبہ کارفرما تھا جس نے انہیں ملک کی آزادی کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رکھا -

قاضی محمد عبدالغفار کی یہہ کتاب حیات اجمل صرف ایک سوانح عمری ہی نہیں ہے بلکہ اس عجیب زمانہ کی ایک سیاسی تاریخ بھی ہے - قاضی صاحب نے جو خود اردو کے ایک بڑے عالم اور بہت سی کتابوں کے مصنف اور مشہور اردو صحیفہ نگار ہیں ایک ایسی عظیم الشان شخصیت کے سوانح حیات مرتب کر کے ایک بڑی خدمت انجام دی ہے -......"

مصنف ہمارے شکریہ کے اس لئے مستحق ہیں کہ انہوں نے بہت محنت کر کے اس سوانح کے مواد کو ترتیب دیا اور بہت پرلطف اردو میں آسے پیش کیا -

حیات اجمل حکیم اجمل خاں کے ایک مستند سوانح ہے اور اس زمانہ کے سیاسی انقلابات کی ایک مستند تاریخ ہے - یہہ کتاب بہت قابل قدر ہے اور سیاست اور تاریخ کے ہر مطالعہ کرنے والے کے پاس ہونی چاہیئے -

(بھارت جیوتی بمبئی)

باہتمام عزیز حسین منیجر نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پبلیشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ سے شائع کیا -